© rasailojaraid.com

اداریہ

پیغام سیرت

حقوق نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

اس کائنات میں حیات انسانی کو مربوط و مرتب نظام کی صورت میں متشکل کرنے کے لئے تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اور اتفاق یہ ہے کہ انسان ان تینوں صورتوں کو آزما چکا ہے:

ا۔ کسی فلسفے کی بنیاد پر دریافت حقیقت اور اس سے حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر تشکیل معاشرہ، تشکیل ریاست اور حکومت۔ فلسفے نے اس میدان میں عرصے کی تگ و تاز کے بعد چند تجربات ضرور کئے، لیکن ایک تو جب ان ذہنی ورزشوں کے بعد ان کے ثمرات کی اساس پر کسی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس فلسفے کو عملی شکل دینے کے لئے اس میں بہت سے خارجی عوامل کی ملاوٹ کرنا پڑی، دوسرے اس کے باوجود اس نظام کی زندگی بہت زیادہ نہیں رہی۔ پھر اس بنیاد پر ہونے والے تجربات کی مثالیں بھی تاریخ میں بہ کثرت دکھائی نہیں دیتیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فلسفہ آج تک کسی مکمل ریاست کو تشکیل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ہمیں یہاں فلسفے کی اس نارسائی سے بحث مطلوب نہیں، ہم امکانات پر بحث کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ فلسفے کی اس ناکامی پر بھی بحث کریں۔ بادی النظر میں اس کا صرف ایک سبب سمجھ میں آتا ہے، وہ ہے فلسفے کے اصل میدان میں اس کی ناکامی، یعنی تلاش حقیقت کے سفر میں اس کی نارسائی۔ اس نے دعویٰ تو اشیا کی کنہ تک رسائی کا کیا، مگر اس کی تشنہ کامی اس قدر واضح ہے کہ وہ اس سلسلے کا مرحلۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول بھی طے نہ کر سکا۔ ایسے میں اس کے حاصل شدہ نتائج بحث سے کام رانی کیوں کر کشید کی جا سکتی ہے؟

پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ حقیقت الحقائق کی تلاش میں فلسفے کی نارسائی کا سبب کیا ہے؟ محض عقل کی نارسائی اور بے شمار حقائق کا احاطہ کرنے والی اس دنیا میں اس کی حدود رہے محدودیت۔ اس محدودیت کا فلسفے کے دوسرے مدمقابل یعنی مذہب کو بھی سامنا تھا، مگر اس نے اس کا ازالہ اس اعتراف سے کر لیا کہ ہم بہت کچھ نہیں جانتے۔ اس بنا پر علم کی مذہب کی زبان میں شرط اول ہی یہ قرار پائی کہ وہ لا ادری (میں نہیں جانتا) کا اعتراف کر لے۔

۲۔ دوسری چیز ہے سائنس، سائنس کا بنیادی کام تو تمدن کی تعمیر و ترقی ہے، بہت سے تحفظات کے ساتھ اس میدان میں اس کی کارکردگی بری نہیں، لیکن جب بعض لوگوں نے اس میدان میں انتہا پسندی اور غلو کا مظاہرہ کیا تو اس کے نتیجے میں سائنٹزم کی اصطلاح وجود میں آئی، اور اسے بعض مذہب بے زاروں نے مذہب کے مقابل لا کھڑا کیا۔ اس عمل کے پیچھے کچھ اہل مذاہب کی بے اعتدالیاں بھی تھیں، لیکن یہ عمل بہ ہر حال غیر فطری تھا۔ جس کا نتیجہ ایک مشینی حیات نو کی صورت میں آج پوری دنیا کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ لیکن فلسفے کے مقابل سائنس کی کام یابی کا گراف قدرے زیادہ بلند ہے۔ اس کا واحد سبب سائنس کا یہ اعتراف تھا کہ وہ لامحدود فکر کی حامل نہیں ہے۔ اس کا دائرہ محدود اور حیات انسانی کے محض چند پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یوں اس نے اپنی حدود خود متعین کر کے اپنی ناکامی کے امکانات کم کر لئے۔

لیکن سائنس بھی انسانیت کی تشکیل میں کام یاب نہیں ہو سکتی۔ انسانیت تو رویّوں کا نام ہے، اور رویے روحانیت کو خارج کر کے تکمیل نہیں پا سکتے۔ جب کہ روحانیت مابعد الطبیعیاتی حقائق کے ذریعے ہی تکمیل پاتی ہے، اور سائنس کا دائرہ اس قدر محدود تر ہے کہ وہ ان حقائق سے بحث کرنے کا لائسنس ہی نہیں رکھتی۔ یہی صورت حال فلسفے کی بھی ہے، وہ مابعد الطبیعیاتی حقائق سے بحث تو کرتا ہے، لیکن اکثر محسوسات کے تناظر میں، جو مابعد الطبیعیاتی حقائق کا دائرہ ہی نہیں۔ ایسے میں فلسفہ بھی حقائق تک رسائی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ اس لئے ان دونوں صورتوں میں بعض چھوٹے، ہلکے اور ابتدائی تجربات کے باوجود سائنس کے ذریعے انسانی معاشرے کی تشکیل کا عمل کام یاب نہیں ہو سکا۔

۳۔ تیسرا دائرہ مذہب کا ہے۔ یہ راستہ بھی کٹھن ہے۔ لیکن انسانی معاشرے کی تشکیل اس کا اہم ہدف ہے۔ چوں کہ اس کا دائرہ کار طبیعیات سے مابعد الطبیعیات تک ممتد ہے۔ اس لئے مذہب کے اطلاق، تفہیم، تفقہ، تجزیے اور پھر تنقید میں ہونے والی انسانی کوتاہیاں اور عقل انسانی کی نارسائی کے اثرات اپنی جگہ، لیکن اپنی وسعت، گنجائش، ہمہ جہتی اور قوت تاثیر کے سبب مذہب یہ حق بہ ہر حال رکھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ان مسائل پر غور کر سکے، سفارشات دے سکے اور عمل کی دولت سے بہرور اور اخلاص سے مالا مال رجال کار اس کے ذریعے انسانی معاشرے کی تشکیل، ترتیب وتہذیب کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

یہی سبب ہے کہ اس حوالے سے تشکیل وترتیب ریاست کے سلسلے میں مذہب کی بنیاد پر ہونے والے تجربات کی زندگی بھی زیادہ رہی، اور یہ سلسلہ ایک تسلسل کے ساتھ تا حال جاری ہے، دوسری بعض انسانی بے اعتدالیوں کے باوجود یہ تجربات سائنس اور فلسفے کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔

یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نظام رسالت قائم فرمایا اور اپنے جلیل القدر انبیائے کرام اور رسولوں کے ذریعے انسانی فکر کی درماندگی، ذہن کی محدودیت اور ادراک وبصیرت کی تشنگی دور کرنے کا سامان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ یعنی رسول انسان کے علم اور وجدان کی محدودیت کو وسعت آشنا کرتا ہے۔ رسول کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل شدہ علم کو لوگوں تک پہنچائے، جس کی روشنی میں انسان خود شناسی اور معرفت رب کی منزلیں طے کر سکے۔

یہاں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم منصب نبوت کے حوالے سے قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کریں، تاکہ اس منصب کے تقاضوں، رفعتوں اور انسانی معاشرے کی تشکیل میں اس کے کردار کی اہمیت سامنے آسکے۔، اور حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی درست تفہیم ہمارے لیے آسان ہو سکے۔

منصب نبوت

نبوت ایک خاص مقام ومرتبے کا نام ہے، امام غزالی کے الفاظ میں ''نبوت انسانیت کے رتبے سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔ وہ عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے۔ سعی و محنت اور کسب وتلاش سے نہیں ملتی''۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (۲)

اللہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اپنی رسالت سے کس کو بہرور کرنا ہے۔

اور دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے اور آپ کے فرائض نبوت بیان کرتے ہوئے قرآن یوں کہتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

۱۔ امام غزالی۔ معارج القدس۔ بحوالہ سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی۔ دار الاشاعت، کراچی: ج ۴، ص ۱۵

۲۔ الانعام: ۱۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۳)

اُسی نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیتیں پڑھ کر اُن کو سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گم راہی میں تھے۔ اور دوسروں کے لئے بھی (رسول بنا کر بھیجا) جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست، حکمت والا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ بار بار اپنی اس نعمت کی یاد دہانی کراتا ہے، تا کہ ہم اس حقیقت کو ہمہ وقت اپنے سامنے مستحضر رکھ سکیں۔

''گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادات وریاضات جو فکر ومراقبے پر مشتمل، اور ریا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں، نفس میں آثارِ وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے، بل کہ جس طرح نوعِ انسانی کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ان کے افراد کی سعی ومحنت کا مرہونِ منت نہیں، اسی طرح نوعِ انبیا کا نبی بن جانا، ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں، بل کہ فیاضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لیے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جد وجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت، نوعِ انبیا کے لیے اکتسابی چیز نہیں، لیکن منشائے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل، قبول وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں۔

چناں چہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغازِ وحی کے حالات میں آپ کو ملے گا کہ انھوں نے ایک زمانے تک عبادت ومراقبے میں بسر کی، ایک ایک مہینہ، ایک ایک چلہ اس طرح گذرا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یک سر الگ ہو گئے، توراۃ میں حضرت موسیٰؑ کی نسبت ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہِ طور پر روزے کی حالت میں رہے، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنسان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتوں میں مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آں

۳۔ الجمعہ: ۲،۳   ۴۔ الجمعہ: ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں مہینوں عزلت گزیں رہنا اور فکر و مراقبے اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے‘‘۔(۵)

اسی لئے دوسرے مقام پر قرآن کہتا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا (۶)

اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک فرشتے کے ذریعے آپ کی طرف وحی کی ہے۔اس سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھادیتے ہیں اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔

انسان کو دنیا میں منصب خلافت پر متمکن کر کے بڑی وقیع ذمے داریوں کے ساتھ اتارا گیا ہے، اس مقصد کے لئے دنیا میں آنے سے قبل حضرت انسان سے عہد الست لیا گیا تھا۔انبیائے کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد اسی عہد الست کی مسلسل یاددہانی ہے۔قرآن کہتا ہے:

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ‌ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا‌ ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۙ‏ (۷)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان ہی کو ان پر گواہ بنایا۔کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا ہاں، ہم گواہ ہیں، یہ گواہی اس لئے لی تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ تمہیں تو اس کی خبر نہ تھی۔

رسول کا بنیادی کام انسانیت کو ہدایت و رہنمائی ہے، ایسے راستے کی جانب رہنمائی، جو بالکل سیدھا اور بہ سہولت منزل تک پہنچانے والا ہے۔تاکہ انسانیت کو فکر، عقیدے، خیال اور تصور کے اندھیروں، شکوک اور شبہات کے دھندلکوں اور غیر فطری خیالات اور افکار کی ظلمتوں سے نکال کر اسے نورِ خداوندی سے منور فرمائے۔چند آیات ملاحظہ کیجئے، جو اس مفہوم کو مختلف اسلوب میں بیان کرتی ہیں۔فرمایا:

هُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ (۸)

۵۔ندوی، سید سلیمان۔سیرت النبی: ج ۴، ص ۱۵
۶۔الشوریٰ:۵۲
۷۔الاعراف:۱۷۲
۸۔الحدید:۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہی اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے، تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۹)

ہم نے رسولوں کو خوش خبری دینے اور خبردار کرنے کے لئے بھیجا، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ O (۱۰)

بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کررہے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خصوصیات

حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خصوصیات بھی پیش کی جائیں، کیوں کہ اس تفصیل کے بغیر امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی بحث تکمیل نہیں پاسکتی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انبیا ورسل علیہم السلام کی رسالت ونبوت کی جامع ہے، اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی خصوصیات اپنے اندر رکھتی ہے، لیکن ان خصوصیات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں چند مزید انفرادی وامتیازی خصوصیات بھی ہیں۔ ان خصوصیات کو چند نکات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ آفاقیت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جس قدر انبیا مبعوث ہوئے، سب کا دائرۂ کار اس معنیٰ میں محدود تھا کہ ان کی بعثت کسی خاص قوم، ملک یا خاص علاقے کے لئے ہوتی تھی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تمام اقوام عالم کے لئے ہے، اور یہ زمان ومکان کی قید سے بلند تر ہے۔

قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کہلوایا گیا:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَاَنِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۱)

اے (پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۹۔ النساء: ۱۶۵
۱۰۔ الشوریٰ: ۵۲
۱۱۔ الاعراف: ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آفاقیت و عالم گیریت کی دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہ بات نہ کسی پیغمبر نے خود اپنے لئے بیان کی، نہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تعارف میں ایسی کوئی بات فرمائی۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اولین قریش مکہ تھے، لیکن آپ کی نبوت ان تک محدود نہیں تھی۔ اور آپ کی نبوت کی آفاقیت کا ایک ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں اس طرح مل گیا تھا کہ آپ کا پیغام اور اسلام کی دعوت حدود عرب سے نکل کر فارس و روم تک پہنچ گئی تھی۔ یہ آفاقیت دیگر انبیائے کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت کے اثرات بہت سی جہات رکھتے ہیں، اور ان کا بیان اس پورے عنوان کو محیط ہے۔

۲۔ جامعیت

چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مبعوث ہونے والے انبیائے کرام کی نبوت ورسالت کا دائرہ ان کی قوم اور خاص علاقے تک محدود ہوتا تھا، اس لئے ان کی دعوت اور ان کا پیغام بھی اپنے ماحول، اس دور کے رجحانات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یوں مختلف رہا کہ آپ کی بعثت قیدِ زمان ومکان سے آزاد تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اس قدر وسعت دی گئی کہ وہ ہر دور کے لئے قابلِ عمل اور ہر قوم کے لئے نمونۂ عمل ٹھہری۔ یہ اس شریعت کی جامعیت ہے کہ اس کے بارے میں کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب اس شریعت کی ضرورت نہیں رہی، یا یہ دورِ حاضر کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہے۔ چودہ سو برس کا دورانیہ کوئی معمولی دورانیہ نہیں ہے، اس کی گواہی ہزار ہا بیانات پر بھاری ہے۔

۳۔ کاملیّت وابدیت

رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسّلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ کو دینِ اسلام کے کامل ہونے کی بشارت دی گئی، دینِ اسلام درحقیقت کوئی نیا دین نہیں، اس کی بنیادی دعوت وہی ہے جو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے دی تھی۔ البتہ زمانے، حالات اور اقوام وملل کے فرق وتفاوت سے ان میں فروعی وجزئی فرق کیا جاتا رہا۔ لیکن دین کے کامل ہونے کی بشارت اس سے قبل کسی نبی اور رسول کو نہیں دی گئی، یہ سعادت بھی رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دِیْنًا (۱۲)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بہ طور دین تمہارے لئے پسند کر لیا۔

۴۔ سابقہ شریعتوں کی تنسیخ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر تمام سابقہ شریعتیں منسوخ فرما دیں، آپ سے قبل اگر کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درست تعلیمات کا علم رکھتا تھا اور وہ ان پر عمل پیرا تھا، تو وہ دین اسلام پر تھا اور مومن تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے بعد اب صرف وہ مسلمان کہلائے گا اور صرف اسی کا ایمان معتبر ہوگا جو دین اسلام پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہوگا۔

اس کا سبب ایک تو یہ ہے کہ سابقہ تمام آسمانی مذاہب میں ان کے پیروکاروں نے تحریف کر دی تھی۔ اور ان کی اصل حالت برقرار نہیں رہی تھی۔ دوسرے ان تمام مذاہب میں جو خوبیاں تھیں، حالات کے تقاضوں اور زمانے کے تفاوت کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے وہ سب دین اسلام میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس لئے اب سابقہ شرائع کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (۱۳)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ (شخص) آخرت میں خسارا پانے والوں میں سے ہوگا۔

۵۔ تمام پہلوؤں کا احاطہ

دینِ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اور رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ خوبی رکھی گئی ہے کہ اس میں ہمہ گیریت کی شان نمایاں ہے۔ وہ عبادات، معاملات، اخلاقیات، تہذیب وتمدن، معاشرت، ہر مسئلے میں واضح، روشن اور بامعنی ہدایات پیش کرتی ہے، اور تمام شعبوں میں توازن واعتدال کی دعوت دیتی ہے، اس میں کسی جانب بھی نہ تو جھکاؤ ہے، نہ کسی پہلو سے کوئی کمی نظر آتی ہے اور نہ کسی طرف کوئی جھول دکھائی دیتا ہے۔

رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی یہ خوبی اسے دیگر تمام نظریات، مذاہب اور تمدن سے

۱۲۔ المائدہ: ۳　　　　۱۳۔ آل عمران: ۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممتاز کرتی ہے۔

۶۔ امتِ محمدی خیرِ امم ہے

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ اگر افضل الرسل ہیں تو آپ کی امت خیر امت کے لقب سے سرفراز کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (۱۴)

(مسلمانو!) تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (کیوں کہ) تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو بے شک یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (مگر) ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں۔

چوں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچانے کی ذمے داری اس امت پر عائد ہوتی ہے، یہ اس امت کی ایک وجہِ فضیلت بھی ہے، اور بہت بڑی اور عظیم ترین ذمے داری بھی۔ یہ نکتہ ختم نبوت کے معانی کا اہم حصہ ہے۔

۷۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اہم صفت یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، آپ نہ صرف افضل الرسل ہیں، بل کہ آپ پر سلسلۂ رسالت ونبوت بھی ختم فرمادیا گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول، اب قیامِ قیامت تک صرف آپ کی ہی رسالت کا چراغ فروزاں رہے گا۔ اور آپ ہی کی نبوت سے استفادے کے اجازت ہوگی۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۱۵)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۴۔ آل عمران: ۱۱۰

۱۵۔ الاحزاب: ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء، کلما هلك نبی خلفه نبی، وانه لا نبی بعدی، وستکون خلفاء فتکثر (۱۶)

بنی اسرائیل کی قیادت انبیا کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، بل کہ خلفا کثرت سے ہوں گے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقو لون هلا وضعت هذه اللبنة قال فأنا اللبنة و انا خاتم النبیین (۱۷)

میری اور مجھ سے پہلے (گزرے ہوئے) انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا ہو اور اس میں ہر طرح کا حسن و خوب صورتی پیدا کی ہو، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی ہو۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فضلت علی الانبیاء بست، اعطیت جوامع الکلم، ونصرت بالرعب، واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا ومسجدمسجدا، وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون (۱۸)

مجھے انبیا پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ اور میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ اور میرے لیے زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا۔

قرآن کریم کی ایک اور آیت سے بھی اس مفہوم کے لئے استدلال کیا گیا ہے، جو ماقبل میں بیان

۱۶۔ مسلم۔ الصحیح۔ دارالکتاب العلمیۃ، بیروت۔ ۱۹۹۸ء: ج ۳، ص ۲۳۴، رقم ۱۸۴۲۔ ۱۴۱۸

۱۷۔ بخاری: کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، رقم ۳۵۳۵، ج ۲، ص ۴۲۲

۱۸۔ مسلم: ج ۱، ص ۳۰۳، رقم ۵۲۳۔ ترمذی: ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۱۵۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوچکی ہے۔قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (۱۹)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، اور اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اب امت کے لئے کسی اور نبی یا پیغمبر کی ضرورت نہیں اس ہوکہ اب پوری انسانیت اور رہتی دنیا تک کے لئے دین مکمل کردیا گیا، نعمت تمام کردی گئی اور اسلام کو بہ طور دین پسندیدگی کی سند اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردی گئی۔امام ابن کثیر اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں:

هذه أكبر نعم اللّٰه تعالىٰ على هذه الأمة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحتاجون إلى دين غيره ولا إلى نبى غير نبيهم صلوات اللّٰه وسلامه عليه، ولهذا جعله اللّٰه تعالىٰ خاتم الأنبياء وبعثه إلى الانس والجن(۲۰)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

صلاة فى مسجد رسول اللّٰه ﷺ أفضل من ألف صلاة فيما سواد من المساجد إلا المسجد الحرام، فان رسول اللّٰه ﷺ آخر الأنبياء وإن مسجد آخر المساجد(۲۱)

مسجد نبوی میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں اداشدہ نماز کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ افضل ہے، مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) کے علاوہ اس لئے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی مسجد (انبیا کی بنائی ہوئی مساجد میں سے) آخری مسجد ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحيى الذى يمحى بى الكفر، وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبيى، وأنا العاقب الذى ليس بعده نبى (۲۲)

۱۹۔المائدہ:۳ ۲۰۔ابن کثیر۔التفسیر: ج۲،ص۱۲

۲۱۔مسلم: کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ مسجدی مکۃ والمدینہ، ج۴،ص۱۲۴،۱۲۵

۲۲۔بخاری: کتاب المناقب، باب ماجاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ۔مسلم: کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ۔ابن حجر عسقلانی۔فتح الباری: ج۶،ص۵۵۴، رقم الحدیث۳۵۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، جس کے ذریعے کفر مٹایا جائے گا، میں حاشر ہوں، لوگ روز قیامت میرے پیچھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی طرح ختم نبوت بھی تاریخی واقعہ ہے، جس پر ابدیت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اور اس کی تاریخ انسانی تاریخ سے زیادہ قدیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بیان ہے:

انا عبداللہ خاتم النبین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (۲۳)

میں اس وقت سے اللہ کا بندہ اور خاتم النبین ہوں، جب کہ حضرت آدم ہنوز مٹی کے پتلے کی شکل میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام وامتیازی حیثیت کو سمجھنے کے لیے ختم نبوت کا فلسفہ سمجھنا بہت ضروری ہے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ پورے نظام رسالت کو سمجھنے کے لئے اس کائنات کے سفر کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اس کائنات کا سفر بعینہ ایک انسان کے سفر کی طرح ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو پہلے ایام طفولیت گزرتا ہے، بچپن میں آتا ہے پھر لڑکپن، نوجوانی، جوانی، ادھیڑ عمری اور پھر پختگی کی طرف سفر کرتا ہے۔ اسی طرح کائنات نے بھی اپنے یہ اسفار طے کیے ہیں۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کے عہد میں کائنات اپنے بچپن کے دور میں تھی۔ وہ ابھی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے ابھی چلنا اور اڑنا نہیں سیکھا تھا، پھر ایک دور آیا کہ اس نے اپنی نوجوانی میں قدم رکھا، پھر ایک دور آیا کہ اس نے جوانی کی طرف قدم رکھا اور نبی کریم کا عہد مبارک وہ ہے، جس میں اس نے اپنی عمر کی پختگی پالی اور ایک پختہ عمر میں وہ داخل ہوگیا۔ انسان کے جو یہ ادوار ہیں، اس میں بہت سی چیزیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ بچپن میں انسان کی ضرورتیں الگ ہیں۔ فیڈر چاہیے، Pamper چاہیے اور بس، تھوڑا سا آگے بڑھے گا تو پھر اس کی کچھ بھوک آگے بڑھے گی، پھر کچھ نرم غذائیں کھانے لگے گا، روٹی کھانے کا مرحلہ بعد میں آئے گا، جب تھوڑا سا نوجوانی کی طرف آئے گا تو اس کے شوق الگ ہوں گے، خوراک الگ ہوگی، لباس الگ ہوگا، جوانی کی طرف جائے گا تو اس کا لباس تبدیل ہونے لگے گا، خوراک میں بھی کچھ ٹھہراؤ آنے لگے گا، پسند نا پسند میں بھی تھوڑی سی تبدیلی آنے لگے گی، جو بچپن کے رنگ ہیں وہ نوجوانی میں پسند نہیں اور جو جوانی کے رنگ ہیں، وہ ادھیڑ عمری اور پختگی میں پسندیدہ نہیں رہتے۔ پھر ادھیڑ عمری کی اپنی پسند اور ناپسند ہے، لیکن جب ایک بار انسان ادھیڑ عمری کی طرف آجاتا ہے، تو شعور کی پختگی اس کو میسر آجاتی ہے۔ اب اس کی ہر چیز

۲۳۔ حاکم۔ المستدرک، تفسیر سورۃ الاحزاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پختہ اور متعین ہو جاتی ہے، ایک مقام پر ٹھہر جاتی ہے، اب خوراک بھی متعین ہو گئی، پسند ناپسند بھی متعین ہو گئی، دوستیاں بھی متعین ہو گئیں، دشمنیاں بھی متعین ہو گئیں، مزاج وغیرہ، غرض ہر چیز پختہ کاری میں ڈھل جاتی ہے، اور متعین ہو جاتی ہے۔ جب تک کائنات نے اپنا سفر ادھیڑ عمری کی طرف اختیار نہیں کیا تھا، اس وقت تک کائنات میں پسند، ناپسند اور ضرورتوں میں مسلسل تبدیلی آ رہی تھی۔ کسی زمانے میں اس کو کچھ پسند تھا، کسی دوسرے زمانے میں اس کو کچھ اور پسند تھا، لیکن جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا عہدِ مبارک آیا تو اب اِس کائنات کا سفر بھی ٹھہراؤ اور پختگی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب تک اس کی پسند اور ناپسند میں تبدیلیاں آ رہی تھیں، اس وقت ضرورتیں بدل رہی تھیں، جب ضرورتیں بدل رہی تھیں تو اللہ تعالیٰ کے احکامات بھی تبدیل ہو رہے تھے۔ اس لئے تبدیل ہو رہے تھے کہ اس وقت کائنات کی طلب یہی تھی۔ اُس وقت فطرت کی پکار یہ تھی کہ یہ چیزیں تبدیل ہوں۔ جب نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا عہد مبارک آیا اور ہر چیز ٹھہراؤ اور پختگی کو پہنچ گئی تو اس وقت اُس تبدیلی کا عمل رک گیا۔ اب اس تبدیلی کی ضرورت ختم ہو گئی اس بنا پر اللہ تعالیٰ کا وہ حکم بھی نازل ہوا جسے تکمیلِ کائنات کا ثبوت بھی کہا جا سکتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۲۴)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اب کتاب بھی وہ نازل ہوئی جو آخری کتاب تھی، اور نبی بھی وہ آیا جس کو خاتم النبیین قرار دیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب قرآن کریم میں فرما دیا گیا:

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (۲۵)

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو امت بھی وہ عطا کی گئی، جو آخری امت ہے۔ یہ ہے فلسفۂ ختم نبوت، جس پر کچھ لوگ نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراضات کرتے ہیں اور دعوائے نبوت تک کر بیٹھتے ہیں۔

یہ ختم نبوت حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی مل سکتی تھی لیکن اس لئے نہیں ملی کہ اس وقت کائنات کا

۲۴۔ المائدہ:۳ ۲۵۔ الاحزاب:۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفر جاری تھا، حضرت موسیٰ کو بھی مل سکتی تھی لیکن اس وقت بھی کائنات کا سفر جاری تھا، اس سے پہلے اگر حضرت نوح کے دور میں چلے جائیں تو کائنات نے محض اپنے عملی سفر کا آغاز کیا تھا۔ یہ محض سمجھانے اور تمثیل کی بات نہیں ہے اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کوئی صحیفہ نازل نہیں ہوا۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات ملی پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور ملی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ملی اور آخر میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو قرآن مجید عطا کیا گیا۔ کتب سماویہ کا یہ نزول انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے سلسلے کے بالکل آخر میں ہوا ہے، وہ بھی عہد کا زیادہ فرق نہیں ہے، کیوں کہ اس سے پہلے کائنات پیدائش انسانی کے لحاظ سے بچپن میں تھی اور بچپن میں انسان کچھ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، وہ لکھنا پڑھنا سیکھے گا تب ہی تو اسے کتاب دی جائے گی۔ اسی طرح بعض تاریخی واسرائیلی روایات میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں بال سفید نہیں ہوتے تھے، جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر میں سے ساڑھے نو سو برس تو انہوں نے صرف تبلیغ میں گزارے، اس پورے عرصے میں ان کے بال سیاہ تھے سفید نہیں ہوئے تھے، جب کہ آج بیس سال کی عمر کے نوجوان کے بھی بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اس میں کائنات کے سفر کے راز پوشیدہ ہیں، اس میں کسی کی جوانی اور بڑھاپے کا مسئلہ نہیں ہے۔ کائنات کی طبعیات میں اللہ تعالیٰ نے جو راز رکھے ہیں، یہ ان رازوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ (۲۶) اگر غور کیا جائے تو اس سلسلے میں ایسی کئی باتیں اور کئی مثالیں ہمارے سامنے آسکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام ہدایت کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ چناں چہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زمین پر زوردار بارش برسی ہو۔ زمین کا ایک بہترین حصہ ایسا تھا جس نے پانی کا اثر قبول کیا اور اس پر خوب گھاس اور چارہ اُگا۔ زمین کا دوسرا حصہ ایسا سخت تھا کہ اس نے گھاس تو نہ اگائی مگر بارش کا پانی روک کر رکھ لیا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ خود بھی سیراب ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی سیراب کیا اور اس سے کھیتی باڑی بھی کی۔ زمین کا ایک اور حصہ بالکل چٹیل تھا، جو نہ پانی کو روکتا تھا اور نہ گھاس اُگاتا تھا۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے دین کی سمجھ حاصل کی۔ انہوں نے اس طرح میرے پیغام سے نفع پہنچایا کہ خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ اور ان لوگوں کی جنہوں نے (اس پیغام کو سننے کے لئے) سر تک نہ اٹھایا

۲۶۔ عزیز الرحمٰن، سید۔ قرآن کیا کہتا ہے؟۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۱۳ء: ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اللہ کی طرف سے جو ہدایت دے کر مجھے بھیجا گیا تھا اسے قبول نہیں کیا۔ (۲۷)

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ تو علیحدہ تفصیلی بیان کا متقاضی ہے، اور ہم ایسے کج مج بیان کے بس کی بات بھی نہیں۔ لیکن آپ کے مقام و مرتبے کے سبب امت مسلمہ پر اس حوالے سے کچھ حقوق لازم ہوتے ہیں۔ یہ حقوق بہت سے حوالوں سے لائق توجہ ہیں، مگر خاص طور پر ہمارے موضوع بحث ''ہماری دعوتی ذمے داریاں'' کے حوالے سے بھی اس کی اہمیت مسلم ہے۔ ہم حقوق النبی کے موضوع کے عمومی تعارف کے ساتھ خاص کر اپنے موضوع کے حوالے سے چند توضیحات پر اکتفا کریں گے۔

قرآن حکیم میں انبیائے کرام کی بعثت کا سبب بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (۲۸)

ہم نے رسولوں کو خوش خبری دینے اور خبر دار کرنے کے لئے بھیجا، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

یہاں انبیائے کرام کو خالق و مخلوق کے مابین ایک واسطے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو ابلاغ اور امت کی اصلاح کا فریضہ انجام دے۔ اور اس اصلاح میں انسانی حیات سے وابستہ وہ تمام امور شامل ہیں، جن سے کسی بھی انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔ پھر یہ ذمے داری اپنے تسلسل کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتقل ہوئی تو اس کے کمال اور ہمہ گیری نے ایک نئی صورت اختیار کرلی، جسے ختم نبوت کہتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عام منصب نبوت کے مقابلے میں آفاقیت کا حامل ہے، جس کے چند پہلو ماسبق میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان خصوصیات میں دعوت کی خصوصیت نہایت اہم ہے۔ امت مسلمہ سے قبل کسی امت کو دعوتی آفاقیت نہیں عطا ہوئی۔ اسی لئے اسلام کے علاوہ ہر مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے غیر دعوتی مذہب ہے۔ حقوق النبی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آگے پہنچانا نہایت وقعت کا حامل ہے۔ جس پر آگے چل کر ہم قدرے تفصیل سے اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

۲۷۔ مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالسنۃ، فصل اول

۲۸۔ النساء: ۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع زیر بحث لاتے ہوئے ہمیں قرآن وسنت سے درج ذیل نکات کی طرف رہ نمائی ملتی ہے:

۱۔ ایمان بالرسالت

۲۔ وجوب اطاعت

۳۔ وجوب محبت

۴۔ وجوب تعظیم وتوقیر

۵۔ تائید ونصرت

۶۔ صلاۃ وسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۷۔ تبلیغ وتدریس پیغام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہم ذیل میں ان نکات کی وضاحت کرتے ہیں، قدرے اختصار ہمارے پیش نظر رہے گا۔ البتہ اپنے موضوع کی مناسبت سے آخری نکتے کو قدرے وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایمان بالرسالت

ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ کئی مقامات پر آیا ہے۔ قصۂ یوسف میں بیان ہوتا ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَO (۲۹)

اور آپ ہماری بات کا یقین کبھی نہیں کریں گے خواہ ہم کیسے ہی سچے ہوں۔

یہاں بمومن لنا کے معنٰی ما انت بمصدق لنا کے بیان کئے جاتے ہیں۔ یعنی آپ ہماری بات کی کبھی تصدیق نہیں کریں گے (۳۰)

ایمان کے مشمولات کی تفصیل پورے ایجاز واختصار کے ساتھ حدیث جبریل میں ملتی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تؤمن باللہ و ملائکتہ وکتابہ و لقائہ و رسلہ و تؤمن بالبعث و تؤمن بالقدر کلہ (۳۱)

ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، آخرت کے دن اس کی

۲۹۔ یوسف: ۱۷ ۳۰۔ ابن منظور۔ لسان العرب: ج ۱۳، ص ۲۳

۳۱۔ مسلم: ج ۱، ص ۵۳، رقم ۵۔ بخاری: کتاب الایمان، باب سوال جبرائیل النبی عن الاسلام، ج ۱، ص ۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاقات، اس کے رسولوں پر، بعد از موت اٹھائے جانے پر اور اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لائے۔

اس طرح وفد عبدالقیس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله، واقام الصلاة وايتاء الزكوٰة، وصيام رمضان، وان تعطوا من المغنم الخمس (۳۲)

(اسلام ہے) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔

خود قرآن کریم کے بالکل آغاز میں سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ایمان کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَO (۳۳)

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ایمان بالرسالہ ''ایمان'' کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ پھر یہ ایمان بالرسالہ بہت سے ذیلی عنوانات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ ایمان ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ اس کے بغیر اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ صاحب شرح العقیدۃ الطحاویہ کے الفاظ ہیں:

يجب على كل احد ان يؤمن بما جاء به الرسول ايمانا مجملاً، ولاريب ان معرفة ماجاء به الرسول صلى الله عليه وسلم على التفصيل فرض على الكفاية (۳۴)

ہر ایک کے لئے لازم ہے کہ وہ ان تمام چیزوں پر مجملاً ایمان لائے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اور بلا شبہ ان تمام چیزوں کا بالتفصیل جاننا فرض کفایہ ہے۔

۳۲۔ بخاری: کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، ج۱، ص۲۱۔ مسلم: کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ ورسولہ، ج۱، ص۵۹، رقم ۲۴

۳۳۔ البقرہ: ۲، ۳

۳۴۔ شرح العقیدہ الطحاویہ: ص۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان بالرسالہ ان مباحث کا احاطہ کرتا ہے:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان۔

۲۔ اس بات پر ایمان کہ آپ پوری انسانیت کے لئے معبوث فرمائے گئے ہیں۔

۳۔ آپ خاتم النبیین ہیں، اور آپ کی امت آخری امت ہے۔

۴۔ آپ سے پہلے تمام انبیا اور ان کی شرائع اور کتب وصحائف پر مجمل ایمان۔

۵۔ اس بات پر ایمان کہ اب سابقہ تمام شرائع منسوخ ہو گئی ہیں۔

۶۔ اس پر ایمان کہ آپ کی اطاعت واجب اور آپ کا حکم واجب التعمیل ہے۔

۷۔ نیز یہ کہ قرآن کی وہی تشریح قابل عمل ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، یا جو تشریح آپ کی سنت کے مطابق ہے۔

اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے کسی حکم کو منسوخ کرنے، محدود یا موقت کرنے یا اس میں کسی نوعیت کی تخصیص کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ صرف توجیہ وتوضیح کرنے کا حق امت کے اہل علم کو حاصل ہے، بہ شرطے کہ وہ توجیہ وتوضیح قرآن یا سنت کے کسی دوسرے مسلمہ پہلو کے معارض ومقابل نہ ہو۔

ایمان بالرسالہ درحقیقت ایمان باللہ کا ایک لازمی تقاضا ہے، کیوں کہ معرفت رب کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واسطہ ٹھہرایا ہے، اس بنا پر ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسالہ کا ذکر متصل آتا ہے، اس لئے قرآن دونوں کو ایک ہی مقام پر ذکر کرتا ہے، مثلاً:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا (۳۵)

مومن وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر پختہ ایمان لائیں اور شک میں نہ پڑیں۔

اس طرح ایمان کے ساتھ محبت کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر اس طرح فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O (۳۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم

۳۵۔ الحجرات: ۱۵ ۳۶۔ التوبہ: ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایمان بالرسالہ کی ضرورت و اہمیت قرآن کریم نے جابجا بیان کی ہے۔ حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں یہ پہلا نکتہ ہے۔ قرآن کریم اس ضمن میں انبیائے ماسبق کا ذکر کر کے ان پر ایمان لانے کی بھی تاکید کرتا ہے، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ (۳۷)

اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو وہ پہلے نازل کر چکا ہے، ایمان لاؤ اور جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کیا تو وہ بہت دور بھٹک گیا۔

اور پھر فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۳۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اور دوسرے مقام پر لہجۂ تہدید میں قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (۳۹)

۳۷۔ النساء: ۱۳۶ ۳۸۔ الاعراف: ۱۵۸

۳۹۔ آل عمران: ۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارا پانے والوں میں سے ہوگا۔

سو جب اسلام کو جاننا اور ماننا ناگزیر ہے تو اس کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانا جس ذات کی ذمے داری ہے، اسے جاننا اور ماننا ناگزیر نہ ہوگا؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس مضمون کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے، مثلاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا الله ويؤمنوا بي و بما جئت به فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم و أموالهم الا بحقها وحسابهم على الله (۴۰)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں، اس پر ایمان نے آئیں، اور جب وہ یہ کر لیں تو میری طرف سے ان کے خون اور اموال محفوظ ہو گئے، ہاں (اس کے علاوہ) اگر کوئی ان سے کسی کا حق وابستہ ہو (تو اس صورت میں وہ حق لیا جائے گا) اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفس محمد بيده لا يسمع بي احد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به الا كان من اصحاب النار (۴۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس امت میں سے جس یہودی اور عیسائی نے میری بات نہیں سنی، پھر مر گیا اور وہ میری رسالت پر ایمان نہ لایا تو وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا۔

یوں یہ بات چوں کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، اس لئے ایمان کا ناگزیر حصہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، ایمان کا باللہ کا حصہ ہے، اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی حقوق

۴۰۔ مسلم: کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ج ا، ص ۶۳، رقم ۳۴

۴۱۔ مسلم: کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس ونسخ الملل بملتہ، ج ا، ص ۱۲۳، رقم ۲۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے ہے۔ اور ایمان باللہ کی متعدد جہتیں ہیں، جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، جن کا خلاصہ ہم آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ وجوب اطاعت

آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہونا ازخود لازم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ایمان لانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی کے سبب لازم قرار دیا گیا ہے، گویا اصل مقصود اطاعت رسول ہے۔ تاکہ انسان اپنے رب کو پہچان بھی سکے اور اس کے احکامات جان بھی سکے۔ یہ مضمون بھی قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اطاعت رسول کو ملا کر بیان کیا ہے، یہ اتصال بیان اطاعت رسول کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ہے۔ اس حوالے سے بھی چند آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ (۴۲)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔

اور فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ (۴۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی نہ کرو۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (۴۴)

اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو اور (برائیوں سے) بچتے رہو، پھر اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اللہ تعالیٰ نے ایک اور اسلوب میں بھی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کا سبب اتباع نبوی کو قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

۴۲۔ الاحزاب: ۷۱ ۔ ۴۳۔ الانفال: ۲۰

۴۴۔ المائدہ: ۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (۴۵)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

یہاں کئی پہلو غور طلب ہیں، ایک تو یہ بات خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوائی گئی۔ دوسرے اس آیت کے آخر میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ اتباع نبوی کی برکت سے صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہی حاصل نہیں ہوگی، بل کہ اس کے نتیجے میں تمہارے گناہ بھی معاف کردیے جائیں گے۔ ایک مومن کے لئے مغفرت سے بڑھ کر اور کوئی خوش خبری کیا ہوسکتی ہے؟

نیز یہ نکتہ خصوصیت سے توجہ طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کے لئے محبت نبوی کو بنیاد نہیں بنایا۔ گو کہ محبت نبوی کی دوسرے متعدد مقامات پر تلقین فرمائی گئی ہے، مگر دوسرے اسلوب میں۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہورہا ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں کسی انسان کو مغالطہ پیش آسکتا تھا، کیوں کہ محبت کے پیمانے سب کے ہاں مختلف ہوتے ہیں۔ انسان سوچ سکتا تھا کہ حصول محبت اور اظہار محبت نبوی کے لئے فلاں عمل کرلیا جائے تو منزل حاصل ہوسکتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اتباع کا لفظ فرماکر بات واضح کردی۔ اور اس لفظ اتباع کی وضاحت دوسرے مقامات پر خود قرآن حکیم نے فرمادی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی۔ جس کے حوالے سے چند روایات ہم ماقبل میں بیان کرچکے ہیں۔ دو روایات مزید دیکھئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ (۴۶)

جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اسی طرح ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لتدخلن الجنة کلکم الا من ابی و شرد علی اللہ کشراد البعیر، قال یارسول اللہ ومن یابی ان یدخل الجنة قال من اطاعنی دخل

۴۵۔ آل عمران: ۳۱

۴۶۔ بخاری: کتاب الأحکام، باب قول اللہ تعالی اَطِیعُوا اللّٰهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجنة ومن عصانی فقد ابی (۴۷)

ابن حبان کے قلم سے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی نہایت اہم ہے، وہ فرماتے ہیں:

طاعة الرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هی الانقیاد لسنته بترك الکیفیة والکمیة فیها، مع رفض قول کل من قال شیئا فی دین اللہ جل وعلا بخلاف سنته، دون الاحتیال فی دفع السنن بالتأویلات المضمحلة والمخترعات الداحضة (۴۸)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کی دائیں اور بائیں جانب مزید لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ دوسرے راستے ہیں یہ تمام راستے ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اور ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے، جو اس راستے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (۴۹)

اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستے ہی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، تاکہ تم متقی بنو۔ (۵۰)

اتباع نبوی اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پہلو ہیں، جو بڑی وضاحت اور تکرار کے ساتھ قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں، اور قرآن کریم کا یہ اسلوب معروف ہے کہ وہ کسی بات کی وضاحت اور اس کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لئے اسے اسلوب بدل کر تکرار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ایک پہلو تو اتباع واطاعت نبوی کی تاکید ہے، دوسرے اطاعت نبوی سے انحراف پر سخت ترین وعید، خصوصاً کسی ایسے مرحلے پر، جب کسی مسئلے میں ایک جانب ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یا حکم ہو اور دوسری جانب انسان کی اپنی خواہشات، کمزوریاں، مفادات یا کوئی خوف، ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور حکم پر سر تسلیم خم دینا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ مضمون بھی نہایت توجہ کا حامل ہے۔ قرآن کا

۴۷۔ ابن حبان: ج ۱، ص ۱۷۹، مجمع الزوائد: ج ۱۰، ص ۶۲

۴۸۔ صحیح ابن حبان: ج ۱، ص ۱۸۰ ۴۹۔ الانعام: ۱۵۳

۵۰۔ احمد۔ المسند: ج ۲، ص ۴۷۸۳۵۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۲، ص ۳۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان اس بات میں بالکل واضح ہے۔ایک مقام پر کہتا ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۱)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اُس کو لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رک جاؤ۔

اور دوسرے مقام پر اطاعت رسول کی تلقین کرتے ہوئے، ایسی صورت میں جب مسلمانوں کا کسی مسئلے پر کوئی اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لوٹانے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۵۲)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوا الامر کی پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

یہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ اس مختلف فیہ معاملے کا فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے، اور اس معاملے کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے، علامہ ابن قیم اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الناس اجمعوا ان الردالی الله سبحانه هوالرد الی کتابه والردالی الرسول هوالرد الیه نفسه فی حیاته والی سنته بعد وفاته (۵۳)

لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹانے کا مطلب ہے اس کی کتاب (قرآن حکیم) کی طرف لوٹانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لوٹانے کا مطلب ہے کہ آپ کی حیات میں خود آپ کی طرف لوٹانا اور بعد میں آپ کی سنت کی طرف لوٹانا۔

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلَا

۵۱۔الحشر:۷ ۵۲۔النساء:۵۹

۵۳۔ابن قیم۔اعلام الموقعین، مکتبہ الکلیات، الکلیات، الازہریہ، مصر: ج۱ص ۴۹، ۱۳۸۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (۵۴)

اور ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، آپ کے پاس آجاتے پھر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا تو البتہ وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ پھر آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو منصف نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کرلیں۔

یعنی رسول کی اطاعت درحقیقت اذن الٰہی کی اطاعت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے کے بعد کسی مومن کے لئے اس حکم میں چوں و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور ایسی صورت میں ایمان ہی معرض خطر میں پڑ سکتا ہے۔ اعاذ نا اللہ منہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت و اتباع نبوت کے حوالے سے اپنی اور انبیائے ماسبق کی مثال دیتے ہوئے ایک روایت میں فرمایا:

كمثل من بنا دارا و جعل فيها مأدبة وبعث داعيا، فمن اجاب الداعي دخل الدار و اكل من المأدبة، و من لم يجب الداعي لم يدخل الدار و لم ياكل من المأدبة، فالدار الجنة، و الداعي محمد (ﷺ) فمن اطاع محمدا فقد اطاع الله، ومن عصى محمدا فقد عصى الله، و محمد فرق بين الناس (۵۵)

۳۔ محبت نبوی

حقوق نبوی کے حوالے سے تیسرا اہم نکتہ محبت نبوی ہے۔ اگر ہم نکتہ دوم اطاعت نبوی کی حقیقت پیش نظر رکھیں، تب بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خود اطاعت بھی محبت پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ اطاعت نبوی کا حکم محض قانونی حکم نہیں ہے، یہ ایمان کا حصہ ہے، اور ایمان اعضا جوارح سے کسی مشق اور عمل کی ادائیگی کا نام نہیں، یہ تو صمیم قلب سے کسی فریضے کو بجالانے کا نام ہے، جس کے لئے اس امر اور حکم سے اور اس امر کی ادائیگی کا حکم دینے والے سے قلبی تعلق نہایت ضروری ہے۔

۵۴۔ النسا: ۶۴، ۶۵

۵۵۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۲، ص ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت دلی تعلق اور اس کے میلان کو کہتے ہیں، لغت میں اس کی کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔(۵۶)

امام نووی محبت کی تفصیلات پر کلام کرنے کے بعد محبت نبوی کے بارے میں گفت گو کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبت اصل میں میلان کو کہتے ہیں، یہ کئی وجوہ سے ہوتا ہے، کبھی حسن صورت، اور حسن صوت وغیرہ کے سبب ہوتا ہے، جسے انسان پسند کرتا ہے اور اس سے لطف اٹھاتا ہے، کبھی عقلی طور پر وہ کسی کو پسند کرتا ہے، اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، مثلاً اچھے لوگوں، علما اور فضلا کی محبت اس نوعیت کی ہے، اور کبھی محبت کا سبب اس شخص کا کوئی احسان ہوتا ہے، جس سے محبت ہوگئی ہے، یا اس کی وجہ سے انسان کسی نقصان اور تکلیف سے محفوظ ہوجاتا ہے، یہ بھی اس سے محبت کا ایک سبب بن جاتا ہے۔ یہ تمام اسباب نبی کریم ﷺ میں موجود ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے حسن و جمال کے کامل مظہر ہیں، ہر طرح کے فضائل آپ کی ذات میں جمع ہیں، اور پوری امت آپ کی احسان مند ہے کہ آپ ہی کے سبب اسے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوئی ہے، جنت کی ہمیشہ کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں اور جہنم کے ہمیشہ رہنے والے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہوا ہے۔(۵۷)

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر محبت نبوی کی تلقین کی ہے، ایک مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۵۸)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

محبت انسیت سے پیدا ہوتی ہے، بل کہ اس کے بعد کا مرحلہ ہے، عام طور پر پہلے انسان مانوس ہوتا ہے، پھر محبت کا آغاز ہوتا ہے، موانست کے لئے قربت شرط ہے، خواہ وہ قربت نسبی ہو یا کوئی اور تعلق اس کا سبب بنے۔ رسول اکرم ﷺ کا امت سے تعلق اس حوالے سے بھی سب سے قریبی ہے، یہ بہ جائے

۵۶ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجیے۔ ابن منظور۔ لسان العرب: ج۱، ص۲۸۹۔ المفردات: ص۱۰۵۔ قاضی عیاض۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج۲، ص۲۹

۵۷۔ نووی۔ شرح مسلم۔ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۱ھ: ج۲، ص۱۴

۵۸۔ آل عمران: ۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود محبت کا سبب ہے۔ ایک مقام پر قرآن کریم اس تعلق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۵۹)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (۶۰)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس بنا پر بھی محبت نبوی ہر مسلمان کا دلی تقاضا ہے، یہ فطرت کی پکار ہے جو اس کے خمیر میں شامل ہے۔ اور محبت نبوی ﷺ شریعت کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے، خود نبی کریم نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (۶۱)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اپنے باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے محبت کو اپنی جان سے بھی زیادہ رکھنا ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

لایومن عبد حتی اکون احب الیه من نفسه، واهلی احب الیه من اهلهٖ وعترتی احب الیه من عترتهٖ وذاتی أحب الیه من ذاته (۶۲)

کوئی شخص اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان

۵۹۔ آل عمران: ۶۴ ۶۰۔ التوبہ: ۱۲۸

۶۱۔ بخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، ج۱، ص۱۲، رقم ۱۵

۶۲۔ المعجم الاوسط: ج ۶، ص ۵۹، رقم ۵۷۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اور میرے اہل وعیال اس کے نزدیک اس کے اپنے اہل و عیال سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں اور میری ذات اس کے نزدیک اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن ہشامؓ روایت کرتے ہیں:

كنّامع النبى وهو آخذ بيد عمر بن الخطّاب،فقال له عمر: يارسول الله!لأنت احبّ الىّ من كلّ شىء الا من نفسى،فقال النبىّ لا والّذى نفسى بيده حتّى أكون احبّ اليك من نفسك فقال له عمر فانه الآن،والله لانت احب الىّ من نفسى،فقال النّبى:الآن يا عمر (۶۳)

ہم حضور نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! مجھے آپ اپنے جان کے علاوہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں (تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا)، قسم ہے اُس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ عرض گزار ہوئے: خدا کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ چناں چہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب (یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا)

ان احادیث کا مطالعہ ہمیں وضاحت سے بتاتا ہے کہ ذات رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتسلیم سے انتہائی درجے کا کمال محبت ایمان کا حتمی اور ناگزیر تقاضا ہے، جس میں ذرا سی کمی بھی ایمان میں کمی کا باعث بن سکتی ہے۔

ذات رسالت مآب سے محبت ایمان کا اولین مظہر بھی ہے، قرآن کریم سے بھی یہی ترتیب معلوم ہوتی ہے کہ پہلے وہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات کراتا ہے، پھر ایمان کی دعوت دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ ایمان لانے کے لئے دلیل، حجت اور شاہد کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو پیش کرتا ہے، اور اثباتِ ذات کی دعوت دیتا ہے، فرماتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمْرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (۶۴)

۶۳۔ بزار۔ المسند۔ مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ۔ ۲۰۰۹ء: ج ۸، ص ۳۸۳، رقم ۳۴۵۹

۶۴۔ یونس ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ سو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

قرآن کریم نے دعوت ایمان دیتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو پیش فرمایا، اور آپ کے اثبات کو ایمان کے لئے لازم قرار دیا، تاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ معصوم و منزہ حیات کا اثبات ہو جائے، تو آپ کے دیگر احکامات کو قبول کرنا اور انہیں دل سے مان لینا آسان ہو جائے گا۔ اسی بنا پر ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ایمان کی چاشنی پا لینے کا سبب قرار دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان: ان یکون الله و رسوله احب الیه مما سواهما، وان یحب المرء لایحبه الا لله، وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار (۶۵)

> تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، وہ ایمان کی مٹھاس پا لے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان کے ماسوا ہر چیز (پوری کائنات) سے زیادہ محبوب ہو۔ اور یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ اور یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے، جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

پھر محبت نبوی کا مقام مزید بڑھاتے ہوئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ اگر واقعتاً کسی دل میں محبت نبوی موج زن ہوگی تو اس کا ٹھکانا خود ذات رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ ہوگا۔ یہ مضمون کئی احادیث میں بیان ہوا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت تو کرتا ہے لیکن وہ ان تک نہیں پہنچ سکا (ان جیسے عمل نہیں کیے)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> المرء مع من أحب (۶۶)

> آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔

سیدنا انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

۶۵۔ بخاری: کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، ج ۱، ص ۱۲، رقم ۶

۶۶۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۶۹، رقم ۵۱۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وماذا أعددت لها؟

تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اس نے کہا: کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

أنت مع من أحببت

تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی نبی اکرم کے اس فرمان سے ہوئی۔ میں نبی، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا، اگر چہ میں نے ان جیسے عمل نہ بھی کیے ہوں۔ (۶۷)

سیدنا ابوذرؓ نے نبی اکرم سے عرض کی: اللہ کے رسول! آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا:

فانك مع من احببت

بلاشبہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

ابوذرؓ نے یہ بات پھر دہرائی تو رسول اللہ نے پھر یہی جواب مرحمت فرمایا۔ (۶۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر تلقین ہے، اور یہ محبت امت پر بہ طور حق نبوی کس درجے میں واجب ہے۔

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تفصیل سے کلام کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کی تشریح فرمائی ہے، اور اس حوالے سے اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بارے میں اہل علم کے اقوال مختلف ہیں۔ چناں چہ سفیان کہتے ہیں کہ محبت سے اتباع نبوت مراد ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے نصرت نبوی مراد ہے۔ بعض کے ہاں اس سے کثرت ذکر نبوی مراد ہے۔ اور بعض حضرات اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفت ایثار کا ہونا مراد لیتے ہیں۔ (۶۹)

شعرا نے محبت نبوی خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ المرء مع من أحب اور أنت مع من أحببت کے حوالے سے عمدہ اسالیب میں اشعار کہے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر کہتے

۶۷۔ بخاری: کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب، ج ۲، ص ۴۶۰، رقم ۳۶۸۸

۶۸۔ ابی داود: ج ۴، ص ۳۶۹، رقم ۵۱۲۶

۶۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: قاضی عیاض۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج ۲، ص ا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں:

و قائل هل عمل صالح
اعددته ينفع عند الكرب
فقلت حسبى خدمة المصطفىٰ
و حبه فالمرء مع من احب

کہنے والا جب کہتا ہے کہ کیا تو نے کوئی نیک عمل ایسا تیار رکھا ہے، جو تجھے (آخرت کی) تکالیف میں فائدہ دے سکتا ہو؟ تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی محبت کافی ہے کہ انسان (روز آخرت) اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے اسے محبت ہوگی۔

اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے:

و حق المصطفى لى فيه حب
اذا مرض الرجاء يكون طبا
ولا ارض سوى الفردوس مأوى
اذا كان الفتى مع من احبا

۴۔ وجوب تعظیم، توقیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

كان والله احب الينا من اموالنا واولادنا و آبائنا وامهاتنا ومن الماء البارد على الظمأ(۷۰)

خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے مال، اپنی اولاد، اپنے والدین اور پیاس کے عالم میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

امت پر لازم و واجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے ایک آپ کی تعظیم و توقیر ہے، جس کا مفہوم بالکل واضح ہے، اسے ہم ادب نبوی کے عنوان سے بھی بیان کر سکتے ہیں۔ اس حق کے بہت

۷۰۔ الشفا: ج ۲، ص ۵۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلو ہیں جن کی جانب اسلام نے متعدد مقامات پر توجہ دلائی ہے۔ قرآن حکیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت اور گفت گو کے آداب بیان کرتے ہوئے حکم فرمایا گیا:

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا (۷۱)

مجاہد رحمہ اللہ اس کی تفسیر اس فرماتے ہیں:

امرهم ان يدعوه يارسول الله فى لين وتواضع، ولا يقولوا يا محمد، فى تجهم (۷۲)

اور دوسرے مقام پر قرآن حکیم میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ۝ (۷۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اُونچی آواز میں بات کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آواز تک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور اسے تمام نیک اعمال کے ضائع ہو جانے کا سبب قرار دیا ہے، جس سے ادب نبوی اور اس کی توقیر وعزت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، چناں چہ یہ حکم امت کے ہاں علی العموم ہے، اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی خصوصیت سے مسجد نبوی میں اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور وہاں آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دو افراد کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے بات کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ ان کا کس علاقے سے تعلق ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، تو انہیں تنبیہ کر کے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اگر اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں مارتا۔ (۷۴)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

۷۱۔ النور: ۶۳

۷۲۔ طبری۔ جامع البیان: ج ۱۸، ص ۱۷۷

۷۳۔ الحجرات: ۲

۷۴۔ بخاری: کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المساجد، ج ۱، ص ۱۲۰، رقم ۴۷۰

۷۵۔ الاحزاب: ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ (۷۵)

مومنوں پر نبی کا حق ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

امام ابن کثیرؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد علم اللہ تعالیٰ شفقۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ، ونصحہ لھم، فجعلہ اولی بھم من انفسھم وحکمہ فیھم مقدماً علی اختیارھم لانفسھم (۷۶)

اور ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے پر سخت ترین وعید فرمائی، فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ○ (۷۷)

بے شک جو اللہ اور رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں یہ جرم کرنے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے، جو قرآن کے اسلوب میں سخت ترین عبارت ہے، کسی خاص موقع پر ہی یہ جملہ قرآن کریم میں آئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی میں آپ کی بات نہ سننا، آپ کے فیصلوں کو قبول نہ کرنا اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی بھی شامل ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقول تعالیٰ متھدداً و متوعداً من آذاہ بمخالفۃ آوامرہ وارتکاب زواجرہ و اصرارہ علی ذلک (۷۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے احکام کی مخالفت سے ڈرانے کے لئے اور نواہی کے ارتکاب اور ان پر اصرار سے بچانے کے لئے فرمائی ہے۔

صحابۂ کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر کا یہ تصور تھا کہ وہ آپ کی مجلس میں دم سادھ کر بیٹھا کرتے تھے۔ چناں چہ برا ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۷۶۔ ابن کثیر۔ التفسیر۔ دار الکتاب العربی، بیروت۔ ۲۰۰۸ء: ج ۵، ص ۱۴۶

۷۷۔ الاحزاب: ۵۷

۷۸۔ ابن کثیر: ج ۵، ص ۲۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة، فانتهينا إلى القبر، فجلس، كأن على رؤوسنا الطير (۷۹)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے، جب ہم قبر تک پہنچے تو آپ نے بیٹھ گئے، اس وقت کیفیت یہ تھی گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (ادب کی وجہ سے خاموشی کا یہ عالم تھا)

اور اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اتيت النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه كأنما على رؤوسهم الطير (۸۰)

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آیا، تو اس وقت صحابہ کا یہ عالم تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

امت مسلمہ کی ذمے داریوں کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا ایک اہم پہلو، خصوصاً عصر حاضر کے تناظر میں، ان بے ہودگیوں کا تدارک اور سد باب ہے، جو عرصے سے توہین رسالت کے حوالے سے دنیا بھر میں جاری ہیں۔ خواہ وہ خاکوں کے نام پر ہوں، کارٹونوں کی صورت میں ہوں یا نہایت فرضی اور واہیات فلموں اور کلپس کی شکل میں ہوں۔ اس حوالے سے دو پہلو ہماری خصوصاً دعوتی ذمے داریوں کے حوالے سے ہماری توجہ چاہتے ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے اس حقیقت کا ادراک کہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ان بے اعتدایوں اور بے ہودگیوں کا ہدف کیوں ہے؟ جاننے والوں سے اب یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس قسم کی سرگرمیوں کے ذریعے مغرب مسلمانوں میں دینی حمیت کا گراف بنانا چاہتا ہے، تاکہ وہ یہ مسلسل معلوم کرتا رہے کہ مسلم امہ اس حوالے سے کس مقام پر ہے؟ اور اس میں متنوع اقدامات کے اس پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت کا عنصر کم کر دیا جائے، کیوں کہ یہ وہ حقیقت ہے، جو مسلمانوں کو مرکزیت بھی عطا کرتی ہے، ان میں قربانی کا جذبہ بھی بیدار رکھتی ہے، اور انہیں صحیح اسلامی فکر تک پہنچنے اور صراط مستقیم پر گام زن ہونے کے لئے راہ نمائی عطا کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں اپنے ایک خطبے میں یہی تو فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جو تمہیں گم راہی سے بچانے کا سبب ہوں گی۔ اس لئے ان دونوں کو مضبوطی

۷۹۔ ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الجلوس فی المقابر: ج ا، ص ۴۹۵، رقم ۱۰۴۹

۸۰۔ ابوداؤد: کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، رقم ۳۸۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تھام لو:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما، کتاب اللہ و سنۃ نبیہ (۸۱)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی (ﷺ) کی سنت۔

اسی لئے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آج سے نہیں، ابتدائے اسلام سے اسلام دشمن قوت کا خاص ہدف ہے۔ بعثت مبارکہ کے فوراً بعد پہلے قریش مکہ نے یہ عمل شروع کیا، پھر یہود، نصاریٰ اور منافقین سب اس عمل کا حصہ بنتے چلے گئے، اسی کا تسلسل آج عصر حاضر کی جدتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔

۲۔ اس کا دوسرا پہلو ہماری ذمے داریوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمیں حالات کا مقابلہ تحمل، فہم و فراست، منصوبہ بندگی، جدید تیکنک اور اتحاد و اجتماعیت کے ساتھ کرنا ہے۔ پہلے ان اوچھی حرکتوں کی پس پردہ قوتوں اور عوامل کو سمجھنا ہے، ان کے اہداف کا جائزہ لینا ہے، پھر حکمت سے بھرپور جواب دینا ہے، مگر ایسا جواب، جو اس سلسلے کو روکنے کا باعث ہو، نہ کہ بڑھانے کا، اور جس کے نتیجے میں اصل قوتوں کا استحصال ہو، نہ کہ خود مسلمانوں کا، اور اس ضمن میں بھی دو جہتی حکمت عملی ناگزیر ہے:

الف: ایک جانب تحریری محاذ پر ایسی قوتوں کا مقابلہ کیا جائے، اور

ب: دوسری جانب مسلم امہ میں بھی اور خصوصاً غیر مسلموں میں ایسی دعوتی تحریک پیدا کی جائے، جو مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنیٰ میں ان کے سامنے پیش کر سکے، اور انہیں علم ہو سکے کہ اس ذات گرامی نے، جسے قرآن کریم نے رؤف رحیم کے عظیم القاب سے یاد کیا ہے، کس درجہ بنی نوع انسان کو اپنے عطایا اور ہدایا سے نوازا ہے، اور پوری انسانیت ان کے احسانات سے کس قدر زیر بار ہے۔

تعظیم و توقیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صحابۂ کرام کا رویہ بھی امت کے لئے دستور عمل کا درجہ رکھتا ہے۔ صحابۂ کرام کی اس حوالے سے کیا کیفیت تھی، اس کا تذکرہ بہت سے مواقع پر ملتا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش مکہ کے مختلف نمائندوں سے مسلمانوں کی گفت گو جاری تھی تو ایک موقع پر قریش کی جانب سے عروہ بن مسعود گفت گو کے لئے آئے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت گو کرنے لگا۔ جب وہ آپ سے بات کرتا تو آپ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالتا اور مغیرہ بن شعبہ آپ ﷺ کے سر کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے پاس تلوار تھی اور سر

۸۱۔ امام مالک بن انس۔ المؤطا۔ مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز۔ سعودیہ ۲۰۰۵ء: ص ۴۴۰، رقم ۱۶۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر خود تھا۔ پس جب عروہ اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی طرف بڑھاتا تو مغیرہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا نچلا حصہ مار کر کہتے کہ اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے الگ رکھ، کسی مشرک کو زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مس کرے۔ عروہ نے اپنا سر اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے، لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ مغیرہؓ بن شعبہ ہے۔ عروہ نے کہا اے غدار کیا میں نے تیری غداری کو رفع نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت میں مغیرہؓ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ سفر کر کے مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ بادشاہ نے مغیرہؓ کے ساتھیوں کو زیادہ انعامات دیئے اور مغیرہ کو کم جس سے مغیرہ کو بہت رنج ہوا۔ راستہ میں یہ لوگ ایک جگہ ٹھہرے اور شراب پی کر غفلت کی نیند سو گئے۔ مغیرہ نے موقع پا کر ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہارا اسلام تو قبول کر لیتا ہوں مگر مال کے بارے میں مجھے کچھ اختیار نہیں (یعنی میں اس کا ذمہ دار نہیں) عروہ نے ان آدمیوں کی دیت (جن کو مغیرہ نے قتل کیا تھا) دے کر قصے کو رفع دفع کر دیا تھا۔

حضرت مسورؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عروہ اپنی آنکھوں سے صحابہ کرامؓ کا مشاہدہ کرنے لگا، اس نے حسنِ عقیدت اور صدق و اخلاص کا ایسا عجیب منظر دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے ہیں تو وہ صحابہ میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے۔ جب آپ ﷺ صحابہؓ کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ فوراً اس کو کرتے ہیں اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے وہ اس حکم کو بجا لائے، اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو صحابہؓ آپ ﷺ کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب آپ بات کرتے ہیں تو صحابہؓ آپ کے سامنے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور تعظیماً آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

پھر عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور ان سے کہا:

> اے میری قوم کے لوگو خدا کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں، خدا کی قسم عقیدت و محبت اور تعظیم و اخلاص کا یہ منظر میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحابؓ ان کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو وہ صحابہؓ میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے، پس وہ فوراً اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب آپ ان کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ فوراً اس کو کرتے ہیں اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا کہ صحابہؓ آپ ﷺ کے وضو کا پانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرنے کے لئے لڑ پڑیں گے، اور جب آپ ﷺ گفت گو کرتے ہیں تو صحابہؓ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور تعظیماً آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور بے شک انہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی بات پیش کی ہے، لہٰذا تم اس کو قبول کرلو۔ (۸۲)

۵۔ تائید ونصرت

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی تائید ونصرت کا پہلو بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام بلند عطا فرمایا، اس کے ناگزیر تقاضے کے طور پر آپ کے کچھ حقوق بھی امت پر واجب کئے، جس میں ایک اہم حق آپ کی تائید ونصرت ہے۔ یہ تمام انبیائے کرام کی سنت رہی ہے کہ جب انہیں اصلاح امت اور اصلاح احوال کی ذمے داریاں سونپی گئیں تو انہوں نے اپنی مدد کے لئے لوگوں کو پکارا۔ اور پھر جن اہل توفیق نے اس پکار کو قبول کیا، انہیں مومنین مخلصین میں شمار کیا گیا۔ قرآن کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے ماننے والوں کو اس مقصد سے مخاطب کیا تھا:

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۸۳)

اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہے؟

قرآن حکیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا گیا:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۸۴)

پھر جو کوئی اس نبی پر ایمان لائے گا اور ان کی حمایت و مدد کرے گا اور وہ اس نور کی اتباع کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا جائے گا، سو وہی لوگ کام یاب ہوں گے۔

یہاں دو لفظ توجہ طلب ہیں، ایک تو عزر، اور دوسرا النصر۔ چناں چہ اہل لغت اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عزر، جس کا مصدر تعزیر ہے، نصرت کو کہتے ہیں، یعنی النصر باللسان والسیف، تلوار اور زبان سے مدد کرنا۔ (۸۵)

۸۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۸۰۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۴۳۱۔۴۳۲

۸۳۔ الصف: ۱۴

۸۴۔ الاعراف: ۱۵۷

۸۵۔ الازدوی۔ تہذیب اللغۃ: ج ۲، ص ۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اہل تفسیر، صحابہ اور تابعین سے بھی اس کی تشریح اسی طرح منقول ہے۔ امام طبری نے اس ضمن میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ مثلاً:

ا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عزروہ کا معنی ہے: حموہ ووقروہ (۸۶)

۲۔ مجاہد یہ کہتے ہیں: عزروہ، سددوا امرہ، واعانوا رسولہ ونصروہ (۸۷)

اور پھر طبری کہتے ہیں: اس کا معنیٰ ہے، وقروہ وعظموہ وحموہ من الناس (۸۸)

اور دوسرے مقام پر قرآن کریم میں فرمایا گیا:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ (۸۹)

تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو، اُس کی تعظیم کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مشرکین مکہ نے اسے دل سے قبول نہیں کیا، اس کے نتیجے میں ان کا ردعمل سامنے آنا شروع ہوا، جو رفتہ رفتہ پر تشدد مہم کی شکل اختیار کر گیا۔ ایک وقت آیا کہ اہل قریش کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سخت نازیبا اور انتہا پسندانہ اقدامات تجویز ہونے لگے۔ اس صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ○ (۹۰)

اور جب کافر آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو مار ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کردیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور حفاظت کی شکل تھی۔ اسی طرح ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ دعوت وتبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ○ (۹۱)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ

۸۶۔ طبری: ج۹، ص۸۵
۸۷۔ ایضاً
۸۸۔ ایضاً
۸۹۔ الفتح: ۹
۹۰۔ الانفال: ۳۰
۹۱۔ المائدہ: ۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

درحقیقت یہ الفاظ اور نصرت نبوی کا حکم بہت سی جہات رکھتا ہے، دعوت و تبلیغ بھی اسی کا حصہ ہے، لیکن بنیادی طور پر اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا صحیح تعارف امت تک پہنچانا اور اس حوالے سے کسی بھی طبقے کی جانب سے کی جانے والی بے ہودگیوں اور آپ کے حوالے سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ ہے۔ اور یہ امت کی مجموعی طور پر ذمے داری ہے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عنوان یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی حوالے سے ایذا رسانی نہ صرف یہ کہ محبت کے منافی ہے، بل کہ ایمان کے بھی منافی ہے، اور ایسے عمل کو قدرت و اختیار کے باوجود قبول کرنا بھی مومن کی شان نہیں۔ مدینہ منورہ کے منافقین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم ایک مقام پر ان کے لئے سخت ترین عذاب کی خبریوں دیتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا○ (۹۲)

بے شک جو اللہ اور رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

منافقین کا عمل اس درجے خطرناک اور مسلم امت کے لئے مشکلات اور مصائب کا باعث تھا کہ قرآن حکیم ان کی شرارتوں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا○ مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا○ (۹۳)

اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینے میں افواہیں اڑاتے ہیں باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ اس شہر میں بہت کم رہ سکیں گے۔ پھٹکارے ہوئے، جہاں بھی پائے جائیں، پکڑے جائیں اور خوب

۹۲۔ الاحزاب: ۵۷ ۔ ۹۳۔ الاحزاب: ۶۰، ۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قتل کیے جائیں۔

اور ایک مقام پر قرآن کریم منافقین کا ذکر کرتے ہوئے انہیں دردناک عذاب کی خبر دیتا ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِىَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (۹۴)

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ دھیان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ وہ اللہ پر یقین رکھتے اور مومنوں کی بات مانتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے حق میں رحمت ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس ادب اور احترام کا تعلق، جس کے مختلف گوشے مختلف عنوانات کے تحت اس مضمون میں بیان ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محض حیات دنیوی سے نہیں ہے، اس کا تعلق تا قیامت موجود رہنے والی شریعت اور اس کے پیر کاروں کے نظام حیات سے ہے۔ چناں جمہور امت مسلمہ کا موقف یہ ہے کہ نبی رحمت و شفقت، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے حوالے سے گستاخی کرنے والا شخص واجب القتل ہے۔ تمام ائمہ، فقہاء اور محدثین اس امر پر متفق ہیں۔ چناں چہ قاضی عیاض امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

وسأل الرشيد مالكا فى رجل شتم النبى و ذكر له ان فقهاء العراق افتوه بجلده فغضب مالك و قال يا امير المومنين مابقاء الامة بعد شتم نبيها؟ من شتم الانبياء قتل و من شتم اصحاب رسول الله ﷺ جلد (۹۵)

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے نبی اکرم ﷺ کو سب و شتم کیا اور رشید نے یہ بھی ذکر کیا کہ عراق کے فقہا نے اسے فتویٰ دیا ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں۔ امام مالکؒ کو غصہ آیا اور فرمایا اے امیر المومنین نبی ﷺ کو گالی دینے کے بعد امت کے باقی رہنے کا کیا فائدہ؟ جو نبیوں کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو اصحاب رسول کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں۔

۹۴۔ التوبہ: ۶۱

۹۵۔ الشفا: ج ۲، ص ۲۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح قاضی عیاض اور امام ابن تیمیہ کا موقف اس بارے میں یہ ہے:

اعلم وفقنا الله واياك ان جميع من سب النبی عابه او الحق به نقصاً فی نفسه او نسبه او دينه او خصلة من خصاله او عرض به او شبهه بشئ علی طريق السب له اولازراء عليه اوالتصغير لشانه الغض منه والعيب له فهو ساب له والحكم فيه حكم الساب يقتل(۹۶)

اللہ ہمیں اور تجھے توفیق دے تو جان لے کہ وہ سب لوگ جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کریں، سب وشتم کریں، عیب لگائیں یا آپ ﷺ کی ذات، آپ کی ذات، آپ کے نسب، آپ کے دین یا آپ کی کسی عادت میں نقص نکالیں، تعریض کریں یا بطور گالی آپ کو کسی شے سے تشبیہ دیں، آپ کی شان میں کمی کریں یا آپ کی ذات میں کمزوریاں نکالیں یا عیب کی نسبت کریں تو یہ سب باتیں سب وشتم میں شامل ہیں اور ان کا حکم سب و شتم کا ہوگا اور اسے قتل کیا جائے گا۔

اور عصر حاضر کے نامور فقیہ اور محقق دکتور وہبہ زحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

وقد افتی اكثر فقهاء الحنفية بناء عليه بقتل من اكثر من سب النبی ﷺ من اهل الذمة وان اسلم بعد اخذه و قالوا بعد اخذه يقتل سياسةً واجمع العلماء كما قال القاضی عياض فی الشفاء علی وجوب القتل المسلم اذا سب النبی ﷺ لقوله تعالیٰ "ان الذين يوذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنيا والآخرة واعدلهم عذاباً مهينا" (۹۷)

اور اکثر حنفی فقہانے اسی بنا پر اس ذمی کو جو نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہے، قتل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، اگر چہ وہ گرفتاری کے بعد مسلمان بھی ہو جائے۔ گرفتاری کے بعد مسلمان ہونے کی صورت میں اس کو سیاستاً قتل کیا جائے۔ قاضی عیاض نے الشفاء میں علما کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جب مسلمان نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو اس کا قتل واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، دنیا وآخرت میں

۹۶۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۲، ص ۲۱۴۔ ابن تیمیہ۔ الصارم المسلول: ص ۵۲۵

۹۷۔ الاحزاب: ۵۷

۹۸۔ دکتور وہبہ زحیلی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج ۷، ص ۵۵۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۹۸)

۷۔ صلوۃ وسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے میں ایک اہم نکتہ آپ پر صلوۃ وسلام پیش کرنا ہے، اس کا حکم براہ راست قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ اور بالعموم پوری انسانیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا یہ ادنیٰ سا اظہار اور علامتی نوعیت کا شکرانہ ہے، اگر امت اس کے اظہار میں بھی سُستی کا مظاہرہ کرے تو اس سے زیادہ ناسپاسی اور ناشکر گزاری کیا ہوگی؟

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۹۹)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو۔

اس حکم کے نتیجے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا ہدیہ بھیجنا دو طرح سے ناگزیر ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لئے امتثال امر میں اس حکم کی بجا آوری ہم پر فرض ہے، دوسرے خود جناب نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے احسانات اور ان کے نتیجے میں امت پر واجب حقوق کے باعث بھی اس فریضے کی ادائیگی ہر مسلمان کی ذمے داری ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حق دیگر حقوق کے اعتراف کا بھی سبب ہے، صلوۃ وسلام کے ذریعے بندۂ مومن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبت، آپ کی ذات سے اپنی وابستگی اور آپ کی اطاعت واتباع کی ناگزیر حیثیت واہمیت کا بھی اظہار کرتا ہے، اور آپ کے احسانات کا اعتراف بھی کرتا ہے، اور شکر گزاری کے جذبے کا اظہار کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں شکر گزار بندوں میں شمار کراتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر اس عمل کے فضائل بیان کئے ہیں۔

من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً (۱۰۰)

۹۹۔ الاحزاب: ۵۶

۱۰۰۔ ابوداؤد: ج ا، ص ۵۲۶، رقم ۱۵۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرماتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سائبان کی جانب تشریف لے گئے اور داخل ہو کر قبلہ رو سجدے میں گر گئے، اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تو پرواز نہیں کر گئی ہے، چناں چہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سرِ مبارک اُٹھایا اور فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ کہیں آپ کی روح تو پرواز نہیں کر گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان جبریل علیه السلام اتانی فبشرنی فقال ان اللّٰه عزوجل یقول: من صلی علیك صلیت علیه، ومن سلم علیك سلمت علیه، فسجدت للّٰه عزوجل شكراً (۱۰۱)

میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھے یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد! جو تم پر درود بھیجے گا تو میں بھی اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے گا تو میرا سلام بھی اس کو پہنچے گا، اس خوش خبری کو سن کر میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اور اسی حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أولی الناس بی یوم القیامة أكثرهم علیّ صلاة (۱۰۲)

قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا ہوگا۔

جب کہ ایک روایت میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أیما رجل مسلم لم یك عنده صدقة فلیقل فی دعائه، اللهم صل علی

۱۰۱۔ احمد۔ المسند۔ دارالتراث العربی، بیروت: ج۱،ص ۳۱۴

۱۰۲۔ ترمذی: ج ۲،ص ۲۷، رقم ۴۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد عبدك ورسولك وصل على المؤمنين والمؤمنات والمسلمين و المسلمات فانها زكاة (۱۰۳)

وہ مسلمان جس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے:

اے اللہ اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور تمام مومن مردوں، عورتوں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر بھی۔ یہ دعا اس کے لیے صدقے کا بدل ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ یعنی درود بھیجنے کا کیا مطلب ہے اور اس سے کیا مقصود ہے، اس سلسلے میں چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ امام ترمذیؒ، سفیان ثوریؒ اور دیگر بعض اہل علم سے نقل کرتے ہیں کہ صلاۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنیٰ رحمت کے ہیں، اور اس کی نسبت جب ملائکہ کی طرف ہو تو اس کے معنیٰ استغفار کے ہیں۔ تقریباً اسی قسم کی رائے امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ صلاۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد اس کی رحمت و رضوان ہے، اور جب فرشتوں کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس کے معنیٰ دعا و استغفار کے ہیں۔ (۱۰۴)

۲۔ امام بخاری اور اسماعیل القاضی رحمۃ اللہ علیہما مشہور تابعی ابو العالیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ یا درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش فرماتے ہیں، اور فرشتوں کے درود سے مراد ان کا دعا کرنا ہے۔

ابن حجر مکیؒ اسی قول کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہی قول زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے درود سے مراد رب العزت والجلال کا اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش و تعریف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا اظہار کرنا ہے، جب کہ ملائکہ اور بندوں کے درود کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ وہ اپنی نوازشوں و رحمتوں سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب خوب نوازے۔ (۱۰۵)

۱۰۳۔ بخاری۔ الأدب المفرد۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت: باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۹۴

۱۰۴۔ قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن: ج ۱۴، ص ۲۳۲

۱۰۵۔ فتح الباری: ج ۱۱، ص ۱۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود کی نسبت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے لئے ہوتو اس سے مراد رحمت ہے اور یہی نسبت درود جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتو اس سے مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و تعظیم ہے۔(۱۰۶)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ قول مذکور سے معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہل ایمان کے مابین درود میں واضح فرق ہے کہ صلاۃ کا لفظ اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیتوں میں وارد ہوا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق مراد ہوگا۔

علامہ ابن حجرؒ شیخ حلیمیؒ کا قول ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے، چناں چہ **اللھم صل علی محمد** کا مفہوم ہے۔اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام کو بلند فرما، نیز دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ کا دنیا میں آوازہ بلند اور رفعت شان ہو، آپ کی لائی ہوئی شریعت کا اظہار اور اس کی بقا ہو اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر عظیم سے نوازا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام شفاعت و مقام محمود سے سرفراز فرمایا جائے، اس طور پر ارشادِ خداوندی **صلوا علیه** کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، نیز درود وسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واولاد اور ازواج و ذریت کو شامل کرنا درست ہے، اس لئے کہ ہر ایک کو تعظیم و تکریم اور رفع درجات ان کی شان کے مطابق نصیب ہوگی۔(۱۰۷)

اسی حکم کی بجا آوری میں روضۂ انور پر حاضری کے وقت سلام پیش کرنا بھی مشروع اور سعادت ہے، صحابۂ کرام کا معمول تھا، جو کتب میں تواتر سے نقل ہوا ہے۔حضرت عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو قبر اطہر و انور کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا کہ صلاۃ وسلام پیش کر رہے تھے اور حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کے لئے بھی دعا مانگ رہے تھے۔(۱۰۸)

حضرت امام نافعؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد میں داخل ہوکر قبر اطہر پر تشریف لاتے اور فرماتے:

۱۰۶۔الشفا: ج ۲، ص ۱۳۸ ۱۰۷۔فتح الباری: ج ۱۱، ص ۱۵۶

۱۰۸۔بیہقی۔السنن۔دار الفکر، بیروت ۱۹۹۶ء۔باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۸، ص ۴۴، رقم ۱۰۴۰۸۔ الموطا: ص ۵۷، رقم ۳۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"السلام علیک یارسول اللہ" "السلام علیک یا ابابکر" السلام علیک یا ابتاہ" (یعنی اے میرے اباجان) (۱۰۹)

اس تفصیل کی روشنی میں امت کے ذمے حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صلاۃ وسلام کا خاص اہتمام فرمائے۔ البتہ اس حوالے سے احکامات اور ہدایات تفصیل کے ساتھ متعلقہ کتب میں موجود ہیں، جن کی جانب مراجعت کی جاسکتی ہے۔

۷۔ تبلیغ وتدریس

حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے امت کے ذمے اہم ترین حق آپ کے پیغام، اور اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت ہے۔ مقاصد بعثت کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو دو اہم ترین مقاصد تعلیم کتاب اور حکمت بھی اپنی توسیعی صورت میں اسی ذمے داری کا تقاضا کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ کو داعی، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور آپ کے لئے یہ اعلان فرمایا گیا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا O (۱۱۰)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس حکم کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ امت کے دونوں حصوں امت اجابت یعنی مسلمانوں اور امت دعوت یعنی امت مسلمہ کے علاوہ پوری انسانیت تک پیغام ربانی پہنچانے کی ذمے داری اب امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے:

تبلیغ دین ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جو ہر نبی کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس کا مقصد اللہ کے دین اور احکام کو پھیلانا اور عام کرنا، لوگوں کو اس کا قائل کرنا اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت و ترغیب دینا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ آپ کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی، اس لئے آپ کے بعد آپ کی امت کے افراد اس کے پابند ہیں کہ وہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں، ورنہ وہ اللہ کی تائید ونصرت سے ہی محروم نہ ہوں گے بل کہ اس کی رحمت وبرکت سے بھی محروم ہو جائیں

۱۰۹۔ بیہقی: ج ۸، ص ۴۴، رقم ۱۰۴۰۶   ۱۱۰۔ سبا: ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے۔

انبیا علیہم السلام نے دین کی خاطر اور تبلیغ کے لئے بے حد و حساب تکلیفیں برداشت کیں اور بے پناہ مصیبتیں جھیلیں، مگر صبر و ہمت کے ساتھ دوسروں تک دین پہنچانے میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O (۱۱۱)

اس سے بہتر کس کی بات ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

اسلام سے قبل دو طرح کے مذاہب تھے۔ ایک غیر دعوتی مذاہب، جیسے یہودیت، مجوسیت، ہندومت وغیرہ۔ دوسرے وہ جو اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے، جیسے عیسائی اور بدھ مت، مگر ان دونوں مذاہب یا ان جیسے دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی صراحت سے کہنا دشوار ہے کہ وہ واقعی دعوتی مذاہب تھے، یا ان میں یہ عنصر ان کے ہاں در آنے والے دیگر انحرافی رویوں کی طرح بعد میں پیدا ہوا۔ کیوں کہ دعوتی مذاہب میں ہمیں عیسائیت بھی نظر آتی ہے، جب کہ آج ہمارے درمیان موجود بائبل کا مطالعہ ان کے اس عمل کی تصدیق نہیں کرتا۔ چند حوالے ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں میں بنی اسرائیل کی ثقافت اور روایات کارفرما نظر آتی ہیں۔ مثلاً جب ایک کنعانی یا یونانی عورت نے حضرت مسیح سے برکت چاہی تو انہوں نے فرمایا:

مجھے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (۱۱۲)

اور فرمایا:

مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسلامی قوموں) کو پھینک دیں۔ (۱۱۳)

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا، بل کہ پہلے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو۔ (۱۱۴)

وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ پھینکو۔ (۱۱۵)

۱۱۱۔ حم السجدہ: ۳۳
۱۱۲۔ انجیل متی: باب ۱۵۔ ۲۵
۱۱۳۔ انجیل متی: باب ۲۷
۱۱۴۔ انجیل متی: باب ۱۰۔ ۶
۱۱۵۔ انجیل متی: باب ۷۔ ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن خصوصاً اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے حوالے سے قرآن کا بیان یہی ہے کہ ان امتوں کے نیک لوگ اس فریضے کی ادائیگی میں مصروف رہتے تھے، کم ازکم اپنی قوم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے۔ قرآن ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَيْسُوْا سَوَآءً ۗ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (۱۱۶)

وہ سب برابر نہیں ہیں (کیوں کہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے راستے پر ہے، وہ راتوں کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ اسلام آگے پہنچانے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۱۷)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ (لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ اس حکم کی عملی شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کی عصمت اور حفاظت کی ذمے داری بھی لی ہے، تاکہ فریضہ دعوت بلا خوف و خطر جاری رکھا جا سکے۔ یہ فریضہ، جیسا کہ ابھی بیان ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ کو سونپا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم مومنوں کے فضائل اور ان کی خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے ان کی یہ صفت بھی بیان کرتا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں، یعنی یہ عمل ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۗ اُولٰٓئِكَ

۱۱۶۔ آل عمران: ۱۱۳، ۱۱۴ ۔۔۔ ۱۱۷۔ المائدہ: ۶۷

۱۱۸۔ التوبہ: ۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○ (۱۱۸)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ ضرور رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

اس آیت سے قبل دوسری آیت کے مفہوم سے متبادر ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف ایک فریضہ ہی نہیں، ایمان کی کسوٹی بھی ہے، فرمایا:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ (۱۱۹)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہیں، بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول بیٹھے۔ سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔

یعنی برائیوں کا پرچار اور نیکیوں کے خلاف یلغار دراصل جاہلوں کا طریقہ ہے، اس کے برعکس مومن کی زندگی تو اچھائیوں کی اشاعت، ترویج اور تبلیغ میں مصروفیت سے عبارت ہے۔ اور امام قرطبی اس عبارت سے ایک لطیف نکتہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مومنین اور منافقین کے درمیان فرق کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چناں چہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مومنوں کی مخصوص صفات میں سے ہے اور ان صفات میں سرفہرست دعوت الی اللہ ہے۔ (۱۲۰)

درحقیقت یہ وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تو مومنین کے وصف خاص کے طور پر ارشاد فرمائی ہے، اور دوسرے مقام پر یہی وصف نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۲۱)

وہ انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔

۱۱۹۔ التوبہ: ۶۷ ۱۲۰۔ قرطبی: ج ۴، ص ۴۷

۱۲۱۔ الاعراف: ۱۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ ﷺ کو جب کافۃ للناس فرمایا گیا تو اس کا واضح مفہوم یہی تھا کہ اب آپ کی نبوت رہتی دنیا تک آنے والے ہر ہر فرد کے لئے ہے، اور پھر چوں کہ ایک خاص وقت کے بعد آپ ﷺ کو اس دنیا سے تشریف لے جانا تھا، اس بنا پر یہ ذمے داری آپ کی امت کو تفویض کی گئی، اس لئے قرآن کریم میں یہ حکم ہوا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ () (۱۲۲)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ حکم فرمایا کہ مجھ سے سن کر دوسروں تک یہ پیغام رحمت پہچانے کی ذمے داری پوری کرو۔ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر کو منیٰ میں اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

ليبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه (۱۲۳)

یہاں موجود ان تک پیغام پہنچا دیں جو موجود نہیں، ہوسکتا ہے کہ موجود شخص جسے پیغام پہنچائے وہ اس سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہو۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے موجود اشخاص پر دین کی تبلیغ فرض عین تھی، اب جب دین اور اس کے احکام لوگوں میں شائع ہو چکے تو آج یہ تبلیغ فرض کفایہ کے درجے میں ہوگی۔ (۱۲۴)

اسی بنا پر امام نووی کہتے ہیں کہ یہ الفاظ و ليبلغ الشاهد الغائب بہت سی احادیث میں آئے ہیں۔ اس میں علم کو نقل کرنے اور سنن اور احکام کی اشاعت کے وجوب کی صراحت ہے۔ (۱۲۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مقامات پر مزید صراحت بھی فرمائی۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۲۲۔ آل عمران: ۱۰۴

۱۲۳۔ بخاری۔ کتاب العلم۔ باب قول النبی رب مبلغ اوعی من سامع: ج ا ص ۲۶

۱۲۴۔ ابن بطال۔ شرح بخاری: ج ا ص ۱۷۸

۱۲۵۔ امام نووی۔ شرح صحیح مسلم: ج ۹ ص ۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبی خلفه نبی، وانه لا نبی بعدی، وسيكون خلفاء (۱۲۶)

بنی اسرائیل کے معاملات کی انجام دہی انبیا کے پاس تھی ان میں سے جب کسی نبی کا انتقال ہوتا تو ان کے بعد دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے جانشین ہوں گے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اللهم ارحم خلفاء نا قلنايارسول الله ﷺ وما خلفاء كم؟ قال الذين يأتون بعد يرون احاديثی وسنتی ويعلّمونها الناس (۱۲۷)

اے اللہ میرے جانشینوں پر رحم فرما، ہم نے دریافت کیا آپ کے جانشین کون ہیں؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا! میرے جانشین وہ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے، میری احادیث اور سنتوں کو نقل کر کے لوگوں کا ان کا علم دیں گے۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اعطيت خمسا لم يعطهن احد قبلی، بعثت الی الاحمر والاسود ووكان النبی انّما يبعث الی قومه خاصّة وبعثت الی الناس عامة (۱۲۸)

مجھے پانچ چیزیں ایسی ملی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی، مجھے ہر سیاہ و سرخ کی جانب مبعوث کیا گیا، پہلے نبی صرف ایک قوم کے لئے خاص ہوتا تھا، جب کہ مجھے تمام لوگوں پر مبعوث کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (۱۲۹)

آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں بھی بصیرت پر ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی۔

۱۲۶۔ بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ج ۲، ص ۴۰۴، رقم ۳۴۵۵
۱۲۷۔ المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۵۹۹۵
۱۲۸۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۲۳۷، رقم ۱۳۸۵۲
۱۲۹۔ یوسف: ۱۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کے مطالعے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام امت مسلمہ کو چار سطحوں پر دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے۔

۱۔ ماقبل ہی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم اہل ایمان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (۱۳۰)

(یہ اہل ایمان) نیکی کا حکم کرنے والے، برائی روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ انفرادی طور پر فریضۂ دعوت کی تلقین ہے، یعنی اسلامی معاشرے میں انفرادی سطح پر ایسے افراد کی قابل ذکر تعداد ہمہ وقت موجود رہنی چاہیے، جو انفرادی اور ذاتی طرح پر یہ ذمے داری نبھا سکیں، اور ایک دوسرے کو اچھائیوں کی تلقین کر سکیں اور برائیوں سے منع کر سکیں۔

۲۔ دوسری سطح ایسی جماعت اور گروہ کی مسلمہ معاشرے میں موجودگی ہے، جو اپنی ذمے داری تصور کرتے ہوئے دعوت کا یہ عظیم فریضہ سرانجام دیں، اور اس مقصد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ یاد رہے کہ یہاں سے جماعت سے کوئی خاص نظم یا تنظیم مراد نہیں، ایسے افراد مراد ہیں، جو یہ فریضہ سرانجام دیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (۱۳۱)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

۳۔ اس عظیم ذمے داری کا تیسرا درجہ یا تیسری سطح پوری امت کی ذمے داریوں کے حوالے سے ہے۔ امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۱۳۲)

(مسلمانو!) تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۱۳۰۔ التوبہ: ۱۱۲ ۔ ۱۳۱۔ آل عمران: ۱۰۴

۱۳۲۔ آل عمران: ۱۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی پورے انسانی معاشرے میں یہ مسلمہ معاشرے اور مسلمہ امت کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے اور مسلم معاشرے ہیں وہ اجتماعی ضمیر موجود ہو، جو برائی کو اجتماعی سطح پر برداشت نہ کر سکے، اور نیکیوں کو خود بہ خود برگ و بار لانے کا موقع میسر آسکے۔

۴۔ چوتھا درجہ یا چوتھی سطح ارباب اختیار و اقتدار کی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں بہت سی صورتیں ایسی پیش آتی ہیں، جب اقتدار و اختیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان ذمے داریوں کا مکلف ہر انسان کو نہیں بنایا جا سکتا۔ اس مقصد کے لئے ارباب اختیار و اقتدار کو توجہ دلائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمان اہل اقتدار کی ایک ذمے داری اس فریضے کی ادائیگی بھی بیان کی گئی ہے۔ فرمایا:

> اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ O (۱۳۳)
>
> یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یعنی حکومت کی باگ ڈور بھی ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے، جو نیکوں کے فروغ اور برائیوں سے اجتناب اور ان سے نبرد آزما ہونے کو اپنی ذمے داری تصور کرتے ہوں۔ اور اس حوالے سے وہ ذہنی طور پر یکسو اور عمل کے جذبے سے سرشار ہوں۔ (۱۳۴)

امت مسلمہ کی دعوتی ذمے داریاں

ہم اپنی طویل گفت گو کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ان ذمے داریوں کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں، جو امت پر بہ حیثیت مجموعی عائد ہوتی ہیں، جن کی جانب نظری طور پر ہم ابھی حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث میں آخری عنوان کے تحت مفصل گفت گو کر چکے ہیں۔ قرآن کریم نے نبی آخر الزمان علیہ الصلاۃ والسلام کو کافۃ للناس فرمایا۔ (۱۳۵)

۱۳۳۔ الحج: ۴۱

۱۳۴۔ اس بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے: غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ فریضہ دعوت و تبلیغ۔ دعوت اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

۱۳۵۔ سبا: ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح دوسری مقام پر فرمایا، جیسا کہ ماقبل میں بھی بیان ہو چکا ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۱۳۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ سلم کے سب سے اہم معجزے قرآن کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے والی کتاب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ() (۱۳۷)

یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا، تا کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، غالب وقابل تعریف کے راستے کی طرف۔

یہاں لفظ انسان فرمایا گیا۔ اسی طرح دوسری بہت سی ایات میں الناس کا لفظ قرآن کریم استعمال فرماتا ہے، جو پیغام نبوت ﷺ کی آفاقیت اور عالم گیرت کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ لفظ انسان میں انسان اور جن اور مرد وعورت سب ہی شامل ہیں۔ (۱۳۸)

اور ایک مقام پر قرآن کریم ہی کے بارے میں فرمایا گیا:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (۱۳۹)

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ (۱۴۰)

ان نصوص کی روشنی میں امت مسلمہ کی کچھ دعوتی ذمے داریاں متعین ہو جاتی ہیں، جنہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف خاص یعنی ختم نبوت اور آپ کے مقاصد بعثت خصوصاً تعلیم کتاب وحکمت کی روشنی میں دیکھیں تو امت کی ذمے داریوں کا پورا خاکہ سامنے آ سکتا ہے۔ ہم خاتمۃ البحث کے طور پر ذیل میں نکات کی صورت میں ان ذمے داریوں کی جانب چند اشارے کرنا چاہتے ہیں۔

ا۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر اسلام کو بہ حیثیت مجموعی پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی

۱۳۶۔ الاعراف:۵۸ ۱۳۷۔ ابراہیم:۱

۱۳۸۔ ابن منظور کہتے ہیں: الناس قدیکون من الانس و الجن۔ لسان العرب: ج ۶، ص ۲۴۴

۱۳۹۔ ابراہیم:۵۲

۱۴۰۔ ایسی بہت سی [illegible] یونس:۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے، اور اپنے علم اور مطالعے پر کسی صورت قناعت نہیں کرنا چاہیے، بل کہ اس راستے میں اپنا ہدف بلند سے بلند تر رکھنا چاہیے۔

۲۔ علم کے بعد عمل کے مرحلے میں بھی ہماری ذمے داری ہے کہ جس قدر جانتے ہیں، اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں، تا کہ عملی طور پر دوسروں کے لئے سراپا دعوت بن جائیں۔

۳۔ دعوت کے دائرے کو سمجھیں، اور اس کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے علی منہاج النبوۃ اس مقصد حیات کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے یا کم از کم اس مقصد کے لئے اپنی حیات مستعار کا تھوڑا سا وقت صرف کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

۴۔ اگر یہ خیال ذہن نشین رہے کہ یہ دعوت ہماری ذمے داری ہے، تو ہمیں جب بھی کوئی موقع ملے گا تو خارجی ترغیبات کے بغیر ہم اپنے آپ کو اس مقصد کی ادائیگی کے لئے آمادہ کر سکیں گے۔

۵۔ نصاب تعلیم کو از سر نو اس انداز سے مرتب ہونا چاہیے کہ ہم اس کے ذریعے اپنی نسل نو کی صحیح نہج پر ذہن سازی کر سکیں، اور ہماری نسل دعوت کے اس محاذ پر اس کے تقاضوں کا ادراک رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہو سکے۔ ہمارے ہاں خصوصاً سیرت طیبہ اس حوالے سے ایک مظلوم مضمون ہے کہ اس کی جانب نہ مدارس میں توجہ ہے، نہ عصری جامعات اور اسکول، کالجز میں۔ ایسے میں ہم یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ آنے والی نسل کو حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے واقفیت ہوگی، اور وہ اس کے تقاضوں کا فہم رکھتی ہوگی۔

۶۔ شعبہ ابلاغ کے تحت ہم درج ذیل اقدامات تجویز کر سکتے ہیں۔

الف۔ مغرب اور اس کے علاوہ باقی دنیا میں غیر مسلم ممالک کے لئے داعیان دین کی تیاری

ب۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں دعوت دین، عقائد اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت جیسے موضوعات پر مبنی اسلامی لٹریچر کی نشر واشاعت

ج۔ مغربی دنیا میں قائم اسلامک سینٹرز اور تنظیموں کے درمیان رابطہ اور اشتراک عمل

د۔ اسلامی لٹریچر میں جن کتب کی طباعت واشاعت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، ان میں ترجمہ قرآن حکیم، منتخب تفاسیر قرآن، منتخب کتب حدیث کے علاوہ کتب سیرت رسول اکرم ﷺ، آسان فقہ وفقہ الاقلیات (اقلیتوں کے بارے میں احکام ومسائل) کی کتب نیز اسلامی تہذیب وثقافت پر مبنی عمومی کتب

۱۴۱۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ تصرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشمولہ: شش ماہی السیرہ عالمی۔ شمارہ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل ہیں۔(۱۴۱)

۷۔ذرائع ابلاغ کے میدان میں بھی سیرت اور دعوت دونوں حوالوں سے وقیع خدمات کے مواقع ہمارے منتظر ہیں۔ریکارڈنگ،لیکچر وتقاریر،ویب سائنس اور دیگر حوالوں سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کے تمام مواقع فوری توجہ چاہتے ہیں اور پرنٹ میڈیا کے حوالے سے بھی ایسی سرگرم تحریک کی ضرورت ہے،جو اس میدان کی کمزوریوں اور خامیوں پر بھی نظر رکھے،متعلقہ کام کو توجہ بھی دلاتی رہے اور اسلامی فکر کے فروغ میں بھی کوشاں رہے۔

۸۔خصوصاً حقوق نبوی کے حوالے سے ہم نے ایک اہم ترین محاذ سفارتی محاذ سے وہ کام نہیں لیا،جو ہم لے سکتے تھے،یہ حکومتوں کے کرنے کا کام ہے،بل کہ ان کی ذمے داری ہے،لیکن حکومتوں کو توجہ دلانا ہم سب کا فریضہ ہے۔اگر یہ محاذ سرگرم رہتا تو دنیا بھر میں توہین رسالت کی کوئی کوشش کو کامیابی نہیں ہوسکتی تھی۔

۹۔بین الاقوامی سطح پر موجود بہت سی تنظیمیں یہ ذمے داریاں بین الاقوامی تناظر میں ادا کرسکتی ہیں۔اس وقت ضرورت ہے کہ جدید دنیا کے مسلمہ اصولوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جائے،اور جو ضابطے اور قوانین اسلامی تعلیمات اور اس کی روح سے متصادم ہیں،انہیں نہایت وضاحت،دیانت داری اور کسی نوعیت کی مداہنت کے بغیر عقل وشعور کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔تاکہ وہ تمام مغالطے جو وحی سے اپنا رشتہ توڑ لینے کے سبب جدید ذہن کو پیش آرہے ہیں ان کی وضاحت ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ فہم وفراست کے ساتھ عمل کی راہیں آسان فرمائے۔آمین

بجاہ سید المرسلین، وعلی آلہ و صحبہ اجمعین

© rasailojaraid.com